

جناب پروفیسر غلام نبی عارف صاحب گورنمنٹ ڈگری کالج باغبانپورہ لاہور

تاریخ و سیر

نواب سید صدیق الحسن خان کی

عربی زبان میں
دینی اور ادبی خدمات

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سرزمین ہند پر بہت سے ایسے عربی زبان کے علماء، شعراء اور ماہرین لغت و ادب پیدا ہوئے۔ جنہوں نے علوم دین اور لغت و ادب کی ترقی و ترویج کے لئے شاندار خدمات سر انجام دی ہیں۔ علماء اور محققین نے ان کی علمی اور ادبی تخلیقات سے خوب استفادہ کیا۔ ان کا فیضی عالم صرف ملک ہند تک محدود و محدود نہیں رہا، بلکہ پورے عالم اسلام نے ان کے چشمہ علم و فضل سے اپنی تشنہ لبی دور کی۔ تاریخ عربی ادب و لغت کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھے تو اس میں یقیناً اس حقیقت کا اعتراف و اقرار ملے گا۔ ہندی علماء کے احوال و آثار پر مستقل تذکرے بھی لکھے گئے ہیں۔ عربی ادب کے صاحب طرز ادیب مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی ایک عربی تصنیف میں ہندی علماء، ادباء اور ماہرین لغت کا بایں طرز تذکرہ کیا ہے:

”عربی ادب میں ہند کا ماضی بہت روشن و درخشاں ہے۔ یہاں پر اسے بہت ترقی و عروج حاصل ہوا۔ عربی زبان میں لکھنے والے عظیم مصنفین، ادباء اور شعراء کی ایک معتدبہ تعداد موجود ہے۔ مثلاً علامہ صفائی لاہوری (متوفی ۶۵۰ ہجری) جو المیاب الزاخر، مجمع البحرین، کتاب الاصداد فی اللغة، مشارق الانوار کے مصنف ہیں۔ قاضی عبدالمقتدر دہلوی (متوفی ۹۱۷ ہجری) صاحب القصیدۃ اللامیۃ، مولانا احمد قاضی سری متوفی ۸۲۰ ہجری صاحب قصیدہ دالیستہ

علامہ محمود ونوری (متوفی ۱۰۶۲ ہجری) مصنف الفرائد فی علوم البلاغۃ - شیخ الاسلام
 امام ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ ہجری) مصنف حجتہ اللہ الباقیۃ، عظیم
 شاعر و مورخ سید غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۱۹۳ ہجری) مصنف السبع السیارة و
 سبعة المرجان - مشہور لغوی سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) مصنف تاج العروس
 و تکریم القاموس - شیخ محسن بن یحییٰ ترحقی مصنف الیالغ البخی - علامہ نواب صدیق
 حسن خاں امیر ریاست بھوپال (متوفی ۱۳۰۷ ہجری) مصنف مؤلفات کثیرہ
 میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی فہرست میں مزید عربی علم و ادب کے اہل قلم
 کا اضافہ کرتا ہوں۔ مثلاً علامہ ابوالعلیٰ عبد الرحمن مبارک پوری مصنف تحفۃ الاحوذی،
 شرح جامع ترمذی - علامہ شمس الحق عظیم آبادی مصنف عون المعبود و شرح سنن
 ابی داؤد اور علامہ عبدالغفر بن سلفی مبینی راجکوٹی مصنف ابوالعلاء دما الیہ
 و محقق سمط اللہی شرح کتاب الإمامی لابی علی القالی - ۳۵
 یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ نواب صدیق حسن خاں علماء
 کے اس ہر اول دستے میں شامل ہیں جنہوں نے دنیا تے اسلام میں اسلام کی خدمت
 اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اب میں ان خدمات اور کوششوں
 کا ذکر کرتا ہوں۔ جو انہوں نے دین و علم کے میدان میں انجام دیں تاکہ آپ کا نام جبرۃ
 عالم پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔

ع ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما

نواب سید صدیق حسن خاں کی ولادت ۱۸۳۲ عیسوی کو شہر قنوج میں ہوئی جو
 ہندوستان کے قدیم اور مشہور شہروں میں سے تھا۔ اسی شہر میں آپ نے نشوونما پائی
 اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ ابوالاحمد حسن قنوجی ایک
 زبردست عالم دین اور ماہر شریعت تھے۔ براہ راست کتاب حسنت کی

(۱) مختارات معادب العرب ج ۱ ص ۴۴

۳۵ عربی علم و ادب کی خدمات کے سلسلے میں دیکھتے تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان
 دہند (۱۹۷۲-۱۹۷۳ء) جلد دوم مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

افتداء واستدلال کے قائل اور تقلیدِ شخصی کے تارک تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پاکیزہ سیرت خداترس مؤمنہ قانتہ خاتون تھیں۔

ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے سوائے ایک دینی کتب خانہ کے کوئی اور جائیداد نہ چھوڑی۔ آپ کی والدہ ماجد نے آپ کی تعلیم و تربیت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دتے۔ ان کے حسن تربیت نے نواب صاحب کی ذات و شخصیت میں بہت گہرا اثر چھوڑا۔ آپ نے ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے شہر میں ہی حاصل کی۔ پھر مزید تحصیل علم کی خاطر دہلی تشریف لائے۔ جو ملک ہند کا دار الحکومت اور اسلامی علوم کی تدریس و تحصیل کا عظیم الشان مرکز تھا۔ یہاں آپ نے دو سال کا عرصہ تحصیل علم میں گزارا۔ مفتی محمد صدر الدین خان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ نے ان سے تمام فنونِ عقلیہ و نقلیہ اور ادب کا درس لیا۔ مزید برآں ان کا اس دوران کئی اور علماء و مشائخ سے بھی تعارف ہوا اور ان سے وسیع استفادے کا آپ کو موقع ملا۔ انہوں نے آپ کو زبانی اور تحریری طور پر اپنے علوم و معارف کے روایت کرنے کی عام اجازت دے دی۔ جس کی مکمل تفصیل سلسلۃ الصجد، میں ملتی ہے۔ ان عظیم المرتبت علماء و فضلاء میں شیخ محمد یعقوب دہلوی، شیخ محمد اسماعیل دہلوی، شیخ عبدالحق بن فضل اللہ اور قاضی حسین بن محسن انصاری یحییٰ شامل ہیں۔

تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد آپ دہلی سے واپس اپنے شہر قنوج آ گئے۔ پھر آپ نے مزید طلبِ علم اور طلبِ معیشت کی خاطر ریاست بھوپال کی طرف سفر اختیار کیا۔ بھوپال اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک قدیم العہد مرکز چلا آ رہا تھا۔ اس کی تاریخ بزرگ شخصیتوں اور مردانِ کار کے کارہائے نمایاں سے خاصی روشن ہے۔ مہد آقبوض نے صدیق حسن خان کو اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں و دیانت کی تمیز بہت جلد آپ کی شہرت ریاست بھوپال کے رؤساء، امراء اور حکام تک پہنچ گئی۔ وہ آپ کی

۱۔ العبد العلوم (۹۳۹-۹۴۰)۔

۲۔ نزہۃ الخواطر ۸: ۱۸۷۔ تذکرہ علمائے ہند۔

خاندانی وجاہت، علمی شخصیت اور ذہنی قابلیت سے متاثر ہوتے بغیر نہ رو سکے جب نواب شاہجہان بیگم والدہ بھوپال کے پہلے خاوند نواب باقی محمد خان فوت ہو گئے تو انہوں نے سید صدیق حسن خان کی شہرت اور علوم اسلامیہ میں اعلیٰ قابلیت کے پیش نظر ان سے نکاح ثانی کر لیا۔ آپ کو اس بناء پر ریاست بھوپال کے تمام اعزازات، خطابات، مراتب و مدارج، جاگیریں اور مملکت کا انتظام و انصرام، عساکر و جیوش کی قیادت اور رؤساء و امراء ریاست کی نظارت و سیادت وغیرہ امور حاصل ہو گئے۔

باوجود اس حقیقت کے کہ نواب صدیق حسن خان بھوپال کی اسلامی ریاست کے سربراہ بن چکے تھے مگر ان کی حاکمانہ مصروفیات اسلام کی خدمات کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوتی تھیں بلکہ ریاست میں دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عملی طور پر ایک بالاتر حیثیت اور سیاسی مقام حاصل ہو گیا۔ قلم و قسط کی سرسراہٹوں کے ساتھ ساتھ سیلف و سنان کی جھنکار بھی شامل ہو گئی۔ آپ نے خزانہ عامرہ کے بڑے حصے کو بلا دی عربیہ سے علمی کتابوں کے جمع کرنے اور نئے نئے موضوعات پر کتابیں تالیف کرنے پر صرف کیا۔ تاکہ عالم اسلام میں دینی علوم و حقائق کی بہتر اور موثر طور پر ترویج و اشاعت ہو سکے۔ نواب صاحب مرحوم زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت علوم دینیہ میں ہمہ تن مصروف رہے حتیٰ کہ اس جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان ۱۳۰۶ھ کو اپنے خالق حقیقی کے سپرد دی۔ جعل اللہ مشواہ نوراً و ضیاء!

نواب صاحب کا دور دین میں بدعات و خرافات اور اہام پرستی کا دور تھا۔ انگریز کے ہاتھوں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد تو دینی معاملات میں جہالت عام ہو گئی تھی۔ قرآن حکیم کی نصوص اور تعلیمات نبویہ کو کیسے فراموش، بے کار اور معطل کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطاب میں کتاب و سنت کا رہنما کی پُر زور الفاظ میں امت کو تاکید فرمائی تھی اور خبردار کیا تھا کہ ان دو کے

ترک کرنے سے مسلمان قعر غلالت میں جا گریں گے، آپ نے فرمایا تھا:
 "تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمَا بِهِمَا
 كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّتِي"

"میں اپنے پیچھے تم میں دو اصول چھوڑ چلا ہوں، ایک اللہ کی کتاب
 اور دوسرا میری سنت۔ جب تک اسے مسلمانو! تم ان دو اصل لاصول
 پر قائم رہو گے، کبھی گمراہی کا شکار نہ ہو گے!"
 مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے دور غلامی میں سب سے زیادہ انحراف اگر کسی شے
 سے کیا ہے تو اللہ کی کتاب قرآن مجید سے:

"فَبَدَّلُوْهُ ذِكْرًا خَلُوعًا رَّهَقًا" (ال عمران: ۱۸۷)

"تو انہوں نے اسے پیچھے پیچھے پھینک دیا!"

— اور سنت محبوب رب العالمین سے، جس کے بارے میں فرمان نبوی ہے:
 "مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا أَمَّا لَيْسَ مِنْهُ فَمُؤَرَّكٌ" (بخاری و مسلم)
 کہ "جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز پیدا کی جو پہلے اس میں نہیں
 ہے وہ ناقابل قبول ہے"

کتاب و سنت کی غربت اور اس سے محرومی کا یہ عالم کہ ان کا مطالعہ درس
 متروک مجبور ٹھہرا۔ بایں طور کہ نصوص قرآن اور متون احادیث کی جگہ عجمی فقہاء اور علماء
 کے مجموعہ ہاتے اقوال و آراء اور ان کی مصطلحات مختصرہ کی تدریس و تلقین ہوتی تھی۔
 جب مبتدی کے ذہن میں کنز، قدوری، ہدایہ اور شامی کی عبارات لاسخ اور جہامد
 ہو جاتیں تو پھر بیچارے قرآن اور حدیث کی باری آتی اور ایک سال میں ہی کتب
 صحاح کی تدریس مکمل کر دی جاتی تاکہ طالب علم پوری توجہ و فرصت کے ساتھ کتاب و
 سنت کی روح کو نہ سمجھ سکے۔ گویا کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی حدیث فقہ و
 منطق و فلسفہ کی کتابوں کا ضمیمہ ٹھہریں۔ نیز علمائے امت نے یونانی فلسفہ کو اپنی توجہ کا
 مرکز بنا لیا تھا حالانکہ اہل یونان نے اسے بے کار سمجھ کر صدیاں گزریں چھوڑ دیا تھا۔ یہ فلسفہ
 منطق یونانیوں کا چربایا ہوا نوالہ تھا، جس کی جگہ اس وقت مسلم دانشور کر رہے تھے،
 دین اسلام کے بارے میں ان کی معلومات بے اصل اور ناقص ہو گئی تھیں، جس کے

نتیجہ میں ان کا اخلاقی و اجتماعی معیار پستی میں گر گیا تھا۔ نواب صاحب کے قلم نے مسلمانوں کی جہالت اور کتاب و سنت سے غفلت و اعراض کا نقشہ بڑے درد بھرے انداز میں کھینچا ہے،

”ایسا دور آچکا تھا کہ غیب پر اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کسی مومن کے لیے کوئی جاتے قرار نہ رہی تھی جہاں وہ قرار پاسکے نہ جاتے پناہ تھی جہاں بھاگ کر پناہ لے سکے، نہ جاتے امن تھی جہاں امان حاصل کر سکے اور نہ کوئی جاتے نجات تھی جہاں بچ کر جاسکے حتیٰ کہ مکہ و مدینہ کے حرم بھی جاتے امن و سکون نہ رہ سکے وہاں بھی دلائل کتاب و سنت پر عمل کرنے والوں اور تقلید ضلال و مضل کے ترک کرنے والوں پر محن و آلام اور مصائب و ابتلا کے دروازے کھول دیے جاتے تھے، حالانکہ ملک ہند میں بھی کتاب و سنت کے حاملین و عاملین کے ساتھ اس قدر ناؤ اور غیر مذہب سلوک نہیں ہوتا تھا بلکہ میں (نواب صاحب) نے بلا مغرب شام و روم کے بارے میں سنا ہے کہ وہاں تو معاملہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ جو مسلمان بقیع سنن نبویہ، عامل باللیل، پابند حدیث رسول، مسک بالکتاب اور تارک تقلید شخصی ہوتا، اس کے لیے دوسرے ہم وطنوں کے درمیان زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا۔ نہ وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا اور نہ وہ فریضہ امر و نہی ادا کر سکتا“ لے

دینی اصلاح

نواب صاحب اپنے دور کے مسلمانوں کی اس تباہ حالی اور امور دین میں ان کی گمراہی سے بہت غمزدہ ہوتے۔ آپ نے ان کو صراطِ مستقیم دکھانا ایسے اور فرض قرار دیا۔ اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی سچی اور حقیقی روح سے آشنا کر ان کے لیے وہ عمل اور عقیدہ کی گمراہی سے محفوظ رہیں جو انہوں نے اسلام کے نام پر اپنا رکھی تھی۔ اس عظیم اور مهم بالشان مقصد کے حصول کے لیے وہی کچھ کیا جو ایک پرہیزگار

دینی مصلح اور باہمت مجدد کرتا ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات و احکام کو از سر نو زندگی بخشنے۔

ایسے ہی مجدد و محی دین کے بارے میں بشارت نبوی ہے:

”مَوْجٌ أَجْجَا سَمَّتْنِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي نَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ“

”جو کوئی میری ایک سنت کو اس وقت زندہ کرے گا جب میری امت

عقیدہ و عمل کے فساد میں مبتلا ہوگی اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب

ملے گا۔“

آپ نے اپنی زندگی کے شب و روز دینی کتب کے جمع کرنے، ان کی تالیف و تصنیف

اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیے۔ آپ نے فکر و عمل اور تخلیقی کاموں سے بھرپور اور

مصرف زندگی گزاری۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نواب صاحب کو عربی، فارسی اور

اردو تینوں زبانوں پر ماہرانہ قدرت کا ملہ حاصل تھی۔ آپ نے تینوں زبانوں میں کثیر تعداد

میں کتابیں تالیف فرمائیں جن کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے جن میں ۵۲ کتابیں عربی میں

۴۲ فارسی میں اور ۱۰۴ کتابیں اردو میں لکھیں۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف علوم دین اور

لغی عرب کے موضوع پر ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں میں اتباع کتاب و سنت کی

طرف خصوصی دعوت دی ہے تاکہ لوگوں کو بدعات، خرافات اور اوہام پرستی سے آزاد

کرایا جائے جو کہ ایک طویل عرصہ سے اس میں گرفتار چلے آ رہے تھے۔ ان تقلیدی

رسومات و عادات اور رواج نے ان کے دلوں سے شرعی احکام و اوامر کا احترام ختم

کر دیا تھا۔ وہ مدفون بزرگوں کے ادب و احترام میں غلو کرتے تھے حتیٰ کہ ان سے مدد و

اعانت کے طلبگار ہوتے، قبروں پر اپنی حاجات لے جاتے اور صاحب قبر سے ان کو پورا

کرنے کی درخواستیں کرتے تھے۔ ان کو بزم خویش خوش کرنے کے لیے نذرانے اور

جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے، اس طرح شعائر اسلام اور قرآن و حدیث کے احکام

اور تعلیمات یک قلم فراموش کر دیے گئے۔ ان تمام غیر اسلامی امور پر عمل کرنے کے

باوجود اپنے آپ کو مسلمان اور جنت کے حقدار سمجھتے تھے۔

نواب صاحب کی عظمت اور رفعت شان اس میں مضمر ہے کہ انہوں نے تمام

عمر کو رانہ تقلید کے سد باب اور اجتہاد شرعی کی بند راہوں کو کھولنے اور مسلمانان ہند کو

احکام کتاب و سنت سکھانے میں صرف کر دی۔

فجزاه اللہ عن الاسلام والمسلمین !

(جاری ہے)

شعروادبے

مولانا عبد الرحمن عابز
میلر کولوی

نشاط و عیش جہاں خواب تھا فسانہ تھا

برائے موت مرعہ تو فقط بہانہ تھا
دل حضور معارف کا اک خزانہ تھا
مری زباں پر تری حمد کا ترانہ تھا
عقیدہ جن کا کہ صدیوں سے مشرکانہ تھا
مگر سلوک نبیؐ سب سے مشفقانہ تھا
کہ آنحضورؐ سے پیار اُن کا والہانہ تھا
چمن میں میرا بھی چھوٹا سا آشیانہ تھا
نظر کے سامنے جب تیرا آستانہ تھا
ہمارے ہاتھ میں دستور عادلانہ تھا!
جہاں میں طرزِ عمل جن کا جاہرانہ تھا
ہمارا جن سے تعلق تھا دوستانہ تھا
نشاط و عیش جہاں خواب تھا فسانہ تھا

مریض کھا چکا اس کا جو آب و دانہ تھا
مرے نبیؐ کی زباں معرفت کی کبھی تھی،
میں جھومتا تھا بہس گام راہِ طلبہ میں
بنے وہ فیض نبیؐ سے معلم توحید
کوئی محبت نبیؐ تھا، کوئی عدوت تھی
نثار کر دیے مال اور جاں صحابہؓ نے
قفس میں اب بھی چمن کو میں یاد کرتا ہوں
نظر کے سامنے رہتے تھے غلڈ کے جلوے
رنگے تھے ہاتھ نہ انصاف کے اوسے کبھی
پڑے ہیں قبروں میں مجبور بولتے بھی نہیں
لحد میں رکھ کے ہمیں سب کچھ سب کوٹ گئے
اُتر کے قبر میں ہم پر یہ آشکار ہوا

وہ وقت آئیگا اجاب اسکو مانینگے

کلام عابز محضوں کا ناصحانہ تھا! صبیح صادقہ